

جدید فلسفه سیرز



والنئر

(یورپی روشن خیالی کا نمائندہ)

قاضی جاوید



مشعل

والتبیر

قاضی جاوید

مشعل

آر-بی 5، سینئر فلور، عوامی کمپلکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

والنتیر

قاضی جاوید

کالپی رائٹ اردو © 2001 مشعل

ناشر: مشعل

آر-بی 5، سینکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

فون و فیکس: 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

پہلی بات

اٹھارہویں صدی روشن خیالی کے فروغ کی صدی تھی جس نے یورپ اور اس کے حوالے سے بالآخر پوری دنیا کو تبدیل کر دیا۔ اجتماعی زندگی پر مذہب کی بالادستی ختم ہو گئی اور اس کی نتیجے میں فرد کی آزادی، عقل کی بالادستی، سائنس کی ترقی، سیکولر ازم اور جمہوریت کا عہد شروع ہوا۔ زندگی کے چلن پدل گئے۔ علوم و فنون، ثقافت، میہشت اور دوسرے تمام شعبوں میں وہ دور رستبدیلیاں رونما ہوئیں جو ہماری آج کی دنیا کو پرانی دنیا سے ممتاز کرتی ہیں۔

بلاشبہ یہ تبدیلیاں نسلوں کی اجتماعی جدوجہد کا شر تھیں۔ مگر جو افراد تبدیلی کے عمل کی رہنمائی کر رہے تھے، ان میں والتیر بہت نمایاں ہے۔ لگ بھگ سانچھے برسوں تک وہ پرانی دنیا اور اس کو قائم رکھنے والی قوتوں کے خلاف قلم اور زبان سے لڑتا رہا۔ جب وہ میدان میں گرا تو نئی دنیا جنم لے رہی تھی۔ وہ دنیا جس کو وجود میں لانے کے لئے اس نے ان تھک محنت کی تھی۔

اس عظیم شخصیت کے بارے میں یہ مختصر ایک تعارفی کتاب ہے۔ میں اس کے طبع زاد ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ ہی اس کو حقیقی سمجھتا ہوں۔ اس مختصر کتاب کا مقصد بس یہ ہے کہ والتیر کی شخصیت اور اس کے حاصلات کو اس انداز میں پیش کر دیا جائے کہ نوجوان طلبہ اور عام قارئین والتیر کے بارے میں بنیادی پاتیں جان سکیں۔

مجھے "مشعل" کے ارباب اختیار کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے مجھے یہ کتاب لکھنے کا موقع فراہم کیا اور مظفر غفار صاحب کے لئے ممنویت کا اظہار کرنا ہے جنہوں نے اس کتاب میں استعمال ہونے والے اکثر فرانسیسی ناموں کا تلفظ سمجھایا۔

قاضی جاوید

14-اگست 2001

ترتیب

بچپن	-1
پہلی محبت	-2
دوسری قید	-3
جلادُ طفی	-4
انگریزوں کے بارے میں خطوط	-5
گذرنی	-6
تاریخ نگار	-7
پروشیا کا بادشاہ	-8
محبوبہ کی موت	-9
پہاڑوں کا بڈھا	-10
کانٹیڈ	-11
یورپ کا ضمیر	-12
منہب	-13
فلسفیانہ ڈسٹرنی	-14
موت کا سیاہ	-15
جاگرہ	-16

بچپن

نومبر 1694 کو پیرس میں دریائے سین کے مغربی کنارے پر واقع ایک مالدار کیلی کے گھر میں ایک لاغر بچے نے جنم لیا۔ وہ اس قدر کمزور اور ناتوان تھا کہ کسی کو اُس کے زندہ نفع کے لیے امید نہ تھی۔ مگر اُس نے سب کے خدشوں کو نہ صرف غلط ثابت کیا بلکہ 84 طویل برسوں تک زندگی کی ایسی بھرپور تجھیقی تو انائیوں کا مظاہرہ بھی کیا جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ لگتا ہے کہ اُس نے اپنی کمزوری کو تھیمار کے طور پر استعمال کرنا سیکھ لیا تھا۔ یوں ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ اُس نے اپنا سرہمیشہ بلند رکھا اور جرات مندی کے ساتھ تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کرتا رہا۔

اس ناتوان بچے کا نام فرانسواز ماری آرویت رکھا گیا۔ چوبیں سال کی عمر میں اُس نے اپنا نام خود چنا اور خود کو ”والٹیر“ کہنے لگا۔ دنیا اُس کو اسی نام سے جانتی ہے۔ مگر کسی کو معلوم نہیں ہے کہ اس نے اپنا خاندانی نام کیوں ترک کیا۔ ہو سکتا ہے کہ شہری درمیانی طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود اُس کے مزان میں پائے جانے والے اشرافی عصر نے اُس کو اپنانام بدلتے پر آمادہ کیا ہو۔ ”والٹیر“ ایک پُر اسرار نام ہے۔ لغت میں اس کے معنی نہیں ملتے۔ لہذا اُس کے مختلف سوائغ نگاروں کو یہ نام اختیار کرنے کا جواز تلاش کرنے میں اپنے تھیل کی شعبدہ بازیاں دکھانے کا موقع مل گیا ہے۔ مگر ہم اس کھیل میں شریک نہ ہوں گے۔

والٹیر نے اپنے خاندان کا ذکر شاہزاد نادر ہی کیا ہے۔ اُس کی تحریروں میں چند مقامات پر خاندان کے قریبی افراد کا تذکرہ آیا ہے۔ مگر اُس نے اپنے خاندانی پس منظر کو کبھی بڑھا

چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جو باتیں یقینی طور پر معلوم ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ابھی سات سال کا تھا کہ اُس کی ماں اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ والتیر نے کبھی جذباتی لگاؤ کے ساتھ اس کو یاد نہیں کیا۔ اُس کی درجنوں تصاویر میں ماں کا ذکر، سرسری طور پر، صرف پانچ سات سطروں میں آیا ہے۔ یوں ہم کو یہ جانے کا موقع ملا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مقابلے میں زیادہ بااثر خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اُس کے خاندان کے اشرافیہ کے ساتھ روابط بھی تھے۔

والالتیر نے اپنے باپ فرانسو آرولیٹ کے بارے میں نبنتاً زیادہ لکھا ہے اور اُس کے سوانح نگاروں نے بھی اس مختصری اور کاروباری ذہن رکھنے والے شخص کے بارے میں بعض حقائق قلمبند کئے ہیں۔ خود والالتیر کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا باپ ایک عام سا دنیا دار شخص تھا جس نے مالی آزادی حاصل کرنے اور اپنے اہل خانہ کو اچھی زندگی کے لوازمات مہیا کرنے کے لئے بہت محنت کی تھی۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ چنانچہ وہ اس قدر دولت مند بن گیا تھا کہ وہ اور اُس کے بیوی بچے آرام دہ زندگی بسر کر سکیں۔ والالتیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ خیل سے محروم ہونے کے باوجود اُس کا باپ ادب اور علوم و فنون کی اہمیت کا احساس رکھتا تھا۔ مگر اُس نے اپنی صلاحیتیں اعلیٰ دنیا وی مقام پانے کے لئے وقف کئے رکھی تھیں۔

ماں نے والالتیر سے پہلے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ والالتیر کی ایک بہن مارگریٹ کی تھیں تھی۔ اُس کی ایک بیٹی مادام ڈینیں، والالتیر کی بھائی اور اُس کے گھر کی منظمة کے طور پر اٹھا رہویں صدی میں مشہور ہوئی۔ اس کتاب میں مادام کا ذکر کئی بار آئے گا۔ اور ہم کوشش کے باوجود اُس کتاب کا ایک آدھ سکنڈل نظر انداز نہ کر سکیں گے۔

آئیے، فی الحال ہم والالتیر کے بھپن کی طرف واپس چلتے ہیں۔ یہ ذکر تو ہو چکا کہ وہ لگ بھگ نیم مردہ حالت میں پیدا ہوا تھا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ ”میں مردہ پیدا ہوا تھا۔“ مہربان نرس تھپکیاں دے کر اُس کو زندگی کی طرف واپس لائی تھی۔ مگر نرس کی مشقت پہلے دن ختم نہ ہوئی۔ آنے والے دنوں میں وہ غریب حواس باختہ ہو کر کئی بار بھاگتی ہوئی اُس کی ماں کو یہ اطلاع دینے گئی کہ وہ دم توڑ رہا ہے۔ ہر روز اُس کا دینی باپ اُس کو دیکھنے آتا اور گھر والوں کو اُس کو زندہ رکھنے کے گر بتاتا۔ بیسمہ دینے کا وقت آیا تو کمزوری کے باعث

والتیز کو گر جے لے جانا ممکن نہ تھا۔ یہ رسم گھر پر ہی ادا کی گئی۔
 اس دینی باپ کا نام ایسے دوشا تو نوف تھا۔ اُس نے والتیز کی زندگی میں ہم کردار ادا کیا ہے۔ والتیز کے ذہن کی ابتدائی تشكیل میں اُس کا حصہ غالباً سب سے زیادہ تھا۔ وہ ایک آزاد منش شخص تھا جس نے والتیز کو تین سال کی عمر میں ایک ملحدانہ نظم زبانی یاد کروادی تھی۔ نظم میں مختلف مذاہب کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ نظم رثے والے اس نئے بچے نے آئندہ آٹھ دہائیوں تک مذاہب سے چھپتے چھاڑتے جاری رکھنی۔ دینی باپ نے اُس کو اور بھی بہت کچھ سکھایا۔ تعصب اور متعصب لوگوں سے نفرت کرنے کے علاوہ اُس نے شاعری کا درس بھی دیا۔ شاعری سے والتیز کا لگاؤ عمر بھر رہا۔ اُس کی پہلی شاخت شاعر کے طور پر ہی تھی۔ دس سال کی عمر میں والتیز کو تعلیم کے لئے لوئی لی گرینڈ کے مدرسہ میں داخل کر دیا گیا۔ اُس زمانے کے فرانس میں، دنیا کے بڑے حصے کی طرح، تعلیم پر مذہبی فرقوں کی اجارہ داری تھی۔ لوئی لی گرینڈ نامی پیرس کا یہ مدرسہ یوسی نامی رومان کیتھولک فرقہ نے قائم کر رکھا تھا۔ اس مدرسے میں طلبہ کو الہیات کا درس دیا جاتا، عبادت کے طریقے سکھائے جاتے، یونانی اور لاطینی زبانیں، فن خطابت اور کلائیکی انداز کی شاعری کا درس دیا جاتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ طالب علم قدیم طرز کی کتب کے علاوہ دوسری تحریروں سے ڈور رہیں۔ مدرسے میں فرانسیسی زبان بھی پڑھائی جاتی تھی۔ مگر لاطینی زبان کے مقابلے میں اُس کی مذہبی اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لہذا اُس پر توجہ بھی کم دی جاتی تھی۔ جہاں تک بابل کا تعلق ہے، متن سے زیادہ اُس کی تاریخ پر زور دیا جاتا تھا۔ روایتی نظام تعلیم کے تقاضوں کے مطابق اس مدرسے میں سب سے زیادہ اہمیت نظم و ضبط کو حاصل تھی۔ اُس کی خاطر بچوں کو جسمانی سزا دینے سے گریز نہیں کیا جاتا تھا۔ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والے طلباء ناپسندیدہ قرار پاتے تھے۔

والتیز کو علم حاصل کرنے کا جنون تھا۔ وہ ذہن و فطیں تھا۔ حافظہ قابلِ رشک تھا اور وہ اساتذہ سے بھرپور فائدہ اٹھانے پر تلا رہتا تھا۔ کتابوں سے اُس کو عشق تھا۔ صحت کی خرابی کا بہانہ کر کے وہ تفریح کے اوقات میں بھی مطالعے میں مصروف رہتا یا اساتذہ سے علم حاصل کرتا رہتا۔ ساتھی طلبہ اُس کا مذاق اڑاتے تو وہ جواب دیتا کہ ”ہر شخص کا اچھل کو دکا اپنا پنا طریقہ ہوتا ہے۔“

لوئی لی گرینڈ کے اس مدرسے کے یسوئی اساتذہ کو شاید ہی بھی ایسے شاگرد سے پالا پڑا تھا، جو سب کچھ جاننے کا مشتاق ہو۔ وہ خدمت اور نوجوانوں کو علم و دانش منتقل کرنے کے مذہبی جذبے سے سرشار اساتذہ تھے۔ لہذا وہ والتیر کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس سے خاصی مہربانی سے پیش آتے اور اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی سر نہ چھوڑتے تھے۔ خیر، ہم یہ یاد دلا دیں کہ ان باتوں کے باوجود وہ محض کتابی کیڑا یا ”پڑھاؤ“ طالب علم نہ تھا۔ کوئی ذہن فطیں نوجوان پڑھائی میں گہری دلچسپی کے باوجود محض کتابوں تک محدود نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ والتیر کا معاملہ یہ ہے کہ اس زمانے سے تعلق رکھنے والی اس کی ذہانت اور شرارتوں کے کئی قصے مشہور ہیں۔

ایک قصہ یہ ہے کہ سرما کے دنوں میں مدرسے کے کمروں کو گرم کرنے کے لئے چولٹے صرف اس وقت جلانے جاتے تھے جب ایک خاص برتن میں رکھا ہوا مقدس پانی جنم کر بر ف بن جاتا تھا۔ لاغر والتیر کے لئے اس سے کم درجے کی سردی بھی تکلیف وہ ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ کمرے گرم کروانے کے لئے اس نے ایک ترکیب سوچی۔ محب کروہ صحن سے برف کی ٹکڑیاں اکٹھی کرتا اور آب مقدس کے برتن میں ڈال دیتا۔ یوں مقدس پانی وقت سے پہلے ہی جمنے لگتا۔ والتیر کی یہ چال آئندہ زندگی میں اس کے وظیرے کی خردی تھی۔ مدرسے میں اس نے ایک اور عادت سیکھی۔ یوں کہنا چاہیئے کہ عادت تو اس کو پہلے سے تھی اب اور بھی پختہ ہو گئی۔ اور زندگی بھر اس کا شعار رہی۔ اس عارث کا تعلق پادریوں اور دوسرے مذہبی عہدہ داروں کا مذاق اڑانے سے تھا۔ اس نے جواز بھی ڈھونڈ رکھا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ لوگ مذہبی لگن یا دوسروں کی خدمت کرنے کے پر غلوص جذبے کے بجائے ذاتی مفادات حاصل کرنے کے لئے پادری بنتے ہیں۔ گویا یہ بھی ایک طرح کا کاروبار یا پیشہ ہے۔ ارباب مذہب روحانیت اور اخلاقیات کی اعلیٰ اقدار کی آڑ میں فائدے حاصل کرتے ہیں۔

ایک بار چند ہم جماعت ساتھیوں نے مذاق اڑانے کے لئے یہ افواہ پھیلا دی کہ والتیر اور اس کے ایک دوست نے پادری بننے کا آپس میں عہد کیا ہے۔ یہ بات والتیر تک پہنچی تو اس نے سمجھیگی سے جواب دیا کہ ”دوستو میں تو دنیا دار ہوں۔ پادری کیسے بنوں گا۔ رہا میرا دوست تو وہ بہت دانا ہے۔ وہ ایسی احمقانہ حرکت نہیں کرے گا۔“

ان ساتھیوں کے بارے میں والتیر کے پہلے سوانح نگار ڈیورنٹ نے لکھا ہے کہ بعد ای زندگی میں کم و بیش وہ سمجھی موحد بن گئے تھے۔ (یہاں ”موحد“ کی اصطلاح ہم نے DEISM کے حوالے سے استعمال کی ہے۔ یہ اٹھارہویں صدی کا ایک یورپی نظریہ تھا جس کے مانے والے خدا پر ایمان رکھتے تھے اور اُس کو واحد سمجھتے تھے لیکن وہی کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ خدا نے انسان کی رہنمائی کے لئے کسی نبی کو نہیں بھیجا۔ یہ لوگ فطری مذہب کے حامی تھے اور عقل کی بالادستی کا اقرار کرتے تھے۔ آگے چل کر ہم اس بارے میں قدرے تفصیل سے بات کریں گے)۔ ڈیورنٹ صاحب نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن کلاس روم میں ایک استاد ” قادر لیجے“ والتیر کی شرارتیوں سے غصے میں آگیا تو اُس نے شاگرد کو کار سے پکڑا اور کہنے لگا ”بدمعاش، تم کسی دن فرانس میں موحدیت کے علمبردار بن جاؤ گے۔“

مرسے میں والتیر نے علم حاصل کیا۔ شراریں کیں اور ساتھ ہی ساتھ شاعری بھی کی۔ طالب علمی کے زمانے سے اُس کی شاعرانہ صلاحیتیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ اور شاعری نے اُس کو دوسروں سے نمایاں ہونے میں مدد دی۔ بارہ سال کی عمر میں وہ اچھی بھلی شاعری کرنے لگا تھی۔ کیم جنوری ۱۷۱۵ کو لاطینی زبان میں نظم نگاری کے ایک مقابلے میں اُس کو پہلا انعام ملا تھا۔ سکول کے اساتذہ نے انعام میں دینے کے لئے تاریخ کی ایک کتاب منتخب کی جس کا عنوان ”فرانس میں خانہ جنگیوں کی تاریخ“ تھا۔ ہمارے پاس ایسے شواہد موجود نہیں جن کی بناء پر یہ فصلہ کیا جاسکے کہ آیا یہ محض اتفاق تھا یا اساتذہ نے یہ کتاب تاریخ میں اپنے اس ہونہار طالب علم کی دلچسپی کے باعث چنی تھی۔ بہرحال یہ طے ہے کہ تاریخ میں اُس کو عمر بھر دلچسپی رہی اور اُس نے تاریخی موضوعات پر بہت سی کتابیں، نظمیں اور ڈرامے لکھے۔

خیر، آغاز شباب کی والتیر کی شاعری کے بارے میں ایک دو اور باتیں بھی قابل ذکر ہیں جو اُس کی شخصیت کو جاننے میں مدد دیتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مدرسے کے اساتذہ اُس کی شاعری کی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے والتیر کے نام کے ساتھ اُس کی شاعری شائع کی تھی۔ دوسرا قصہ یہ ہے کہ ایک روز ایک پریشان حال بودھا سابق فوجی مدرسے میں آنکلا۔ اُس نے پادریوں سے درخواست کی وہ اُس کو ایسی نظم لکھ دیں جو وہ اپنے نواب (جس کی رجنٹ میں وہ ملازم رہ چکا تھا) کو سنائے اور اُس سے کوئی انعام حاصل کر

سکے۔ پادری صاحبان نے انعام کے آرزو مند بوڑھے فوجی کو والتیر کے پاس بھیج دیا۔ طالب علم والتیر نے بوڑھے کی فرمائش پوری کر دی۔ نواب صاحب نے نظم سنی تو بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے بوڑھے فوجی کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

یوں کے اس مدرسے کی تربیت سے والتیر کی شخصیت نکھر گئی۔ مہربان اساتذہ نے اُس کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یوں اُس کی فطری صلاحیتوں کو چار چاند لگ گئے۔ طالب علمی کے زمانے کا خاتمه 1711ء میں ہوا۔ وہ مدرسے میں گزرے ہوئے دنوں سے مطمئن تھا۔ اور اساتذہ کے لئے ممنونیت کا احساس اُس کو زندگی بھر رہا۔ سکول چھوڑنے کے تیس بینتیس سال بعد اُس وقت کے پنسپل کے نام ایک خط میں والتیر نے لکھا تھا کہ ”سات برس تک میری پروش ایسے صاحبان کرتے رہے جو نوجوانوں کے ذہن و اخلاق کی تربیت میں دل و جان سے حصہ لیتے تھے۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ میں اُن اساتذہ کے لئے احسان مندی کے احساس سے محروم ہوں۔“

پہلی محبت

طالب علمی کے زمانے سے والنتیر کا تعلق چند آزاد خیال لوگوں کی ایک جماعت سے بن گیا تھا جس کو ”ٹمپل گروپ“ کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ شاعروں، ادیبوں اور دانش وردوں کا گروپ تھا۔ ان کی قدر مشترک محض آزاد خیالی نہ تھی۔ ایک اور بات بھی ان میں مشترک تھی وہ سب خوش باش اور زندہ دل لوگ تھے۔ ہنستے کھلتے اور موج اڑانے والے تھے۔ اُس زمانے میں عام تاثر یہ تھا کہ آزاد خیال اور عقل کے متوالے پھیپھی اور بے لطف زندگی گزارتے ہیں۔ ٹمپل گروپ کا معاملہ مختلف تھا۔ اُس نے یہ تصور جھپٹا دیا تھا۔

یوں اساتذہ کی طرح ٹمپل گروپ نے بھی والنتیر کی ڈینی اور جذباتی تشكیل میں نمایاں حصہ لیا۔ گروپ نے اس ذہین نوجوان کے دل میں فکر و نظر اور اظہار کی آزادی کی ایسی لگن پیدا کر دی جو ساری زندگی اُس کی شخصیت کا امتیازی عنصر ہی۔

درس سے سفارغ ہونے کے بعد اس وقت کے رواج کے مطابق، مزید تعلیم کے لئے والنتیر کے سامنے دوراستے تھے۔ وہ الہیات کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا یا پھر قانون کی۔ اُس کو دونوں پسند نہ تھے۔ مگر بیٹے کے مستقبل میں گھری دلچسپی رکھنے والا باپ اُس کو قانون کی تعلیم دلانا چاہتا تھا۔ والنتیر نے صاف انکار کر دیا۔ پختہ ارادے کے ساتھ اُس نے کہا:

”میں تو بس ادیب ہوں گا۔ کوئی اور کام مجھے پسند نہیں۔“

سیانے باپ نے جواب دیا:

”یہ کام وہی کرتا ہے جو سماج کے لئے بے فائدہ اور والدین کے لئے بوجھ بنا چاہتا ہو۔“

اور ساتھ ہی بھوکوں مرنा چاہتا ہو۔“

باپ نے ضرور بھانپ لیا ہوگا کہ اس نوجوان کو قانون کی طرف راغب کرنا آسان نہیں جو کسی شے کا احترام کرنے پر تیار نہ ہو۔

والتیر اب نوجوان تھا اور پیرس ایک رنگین شہر۔ اس شہر کی رنگینیاں اور خاص طور پر اعلیٰ طبقہ کی سرستیاں اُس کو متوجہ کرنے لگی تھیں۔ دینی باپ نے ایک بار پھر ہاتھ پکڑا۔ اُس نے والتیر کو اعلیٰ رتبوں والے لوگوں سے متعارف کرایا۔ ذہن فطیں نوجوان کے لئے بس تعارف ہی کافی تھا اس کے بعد وہ اپنے لئے جگہ خود بنانے کا شکل تھا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ذہانت، حاضر جوابی، طنز و مزاح کی لا جواب صلاحیت اور نکتہ سنی کے باعث اعلیٰ طبقہ میں گھل مل گیا۔ یہ کوئی معمولی کامیابی نہ تھی۔ اُس زمانے کے اعلیٰ طبقے کے افراد رسم و رواج اور تکلفات کے پابند تھے۔ وہ دوسرا طبقوں کے افراد سے فاصلہ رکھنے میں یقین رکھتے تھے۔ اس لیے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے والتیر کے لئے اُن کی محفلوں تک رسائی پانا بہت دشوار تھا۔ بہر طور والتیر ان محفلوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ شہزادوں اور بڑے بڑے لوگوں سے اُس کا میل ملا پ ہونے لگا۔ فیشن ایبل خواتین سے ملاقات کا ایک اچھا بہانہ اُس نے ڈھونڈ لیا۔ وہ اُن کی شاعری کی اصلاح کرنے لگا۔ یوں اُن کی قربتیں میر آنے لگیں۔ یہ زبردست آغاز تھا۔ اُس کی زندگی کے بہت سے ماہ و سال اپنی رنگین قربتوں میں بسر ہونے والے تھے۔

طنز و مزاح، حاضر جوابی اور جگت بازی سے کھلنڈرے طبقوں میں آگے بڑھنے میں مدد ضرور ملتی ہے لیکن بہت سے دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ کھیل ہی کھیل میں، دوستوں کے حلقوں میں، والتیر کے مخالفین بھی پیدا ہونے لگے تھے۔ ذہانت سے حاصل ہونے والی خود اعتمادی کے باعث وہ طبقہ اشرافیہ کے اُن افراد کے ساتھ برابر کی سطح پر پیش آنے لگا تھا جو اُس کے دوست بن گئے تھے۔ واقعی وہ نوجوان تھا اور زندگی نے ابھی اُس کو لئے حقیقتوں سے آشناہ کیا تھا۔ ابھی وہ ان دوستوں کے تکبر کا نشانہ نہ بنا تھا۔

شاید وہ جلد ہی نشانہ بن جاتا۔ لیکن خوش قسمتی نے وقتی طور پر ساتھ دیا۔ اور والتیر کو کچھ عرصہ کے لئے پیرس سے باہر جانے کا موقع مل گیا۔ اصل میں اُس کے دینی باپ کا ایک بھائی ہالینڈ میں فرانس کی طرف سے سفیر مقرر ہوا تھا۔ جب وہ ہیگ جانے لگا تو قاصد

کے طور پر والتیر کو ساتھ لے گیا۔

پہلی ملازمت کے دن خاصے ہنگامہ خیز رہے۔ بات یہ ہوئی کہ ہالینڈ کے دارالحکومت پہنچتے ہی اُس کی مذہبیہ مادام این مارگریٹ دونور نامی ایک خاتون سے ہو گئی۔ وہ ایک فراشیسی پروٹوٹائٹ عورت تھی جس نے شوہر سے بھاگ کر ہیگ میں پناہ لے رکھی تھی۔ وہ بیٹیوں کو ساتھ لی آئی تھی۔ شہر میں اُس کی شہرت اچھی نہ تھی۔ وہ ایک چالاک ادبی مہم باز عورت کے طور پر مشہور تھی۔ وہ ایک رسالے پر گزارہ کرتی تھی جس میں معزز لوگوں کے سکینڈل شائع کئے جاتے تھے۔ والتیر کی گواہی یہ ہے کہ مادام ڈونور اعلیٰ طبقے کے افراد کے سکینڈل، حماقتیں اور جعلی چکلے جمع کرتی اور پھر ان کو اپنے رسالے میں شائع کر دیتی تھی۔

والتیر اس چالاک عورت سے ملا اور ملتے ہی نفرت کرنے لگا۔ مگر ہوا یہ کہ اُس کی بیٹی اُبھی کے عشق میں بیٹلا ہو گیا۔ وہ ایک سال کی تھی اور اُس نے حال ہی میں ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ رومان ختم کیا تھا جو اُس کو چھوڑ کر اپنا مقدمہ بنانے انگلستان چلا گیا تھا۔

مادام ڈونور کو بھلا والتیر جیسے نوجوان میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی جس کا کوئی اعلیٰ خاندانی پس منظر تھا اور نہ ہی زندگی میں اس نے ابھی کوئی بڑا مقام حاصل کیا تھا۔ اُس نے فوراً سفیر صاحب سے شکایت کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سفارتی عملے کو کسی سکینڈل سے بچانے کے لئے سفیر نے والتیر کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کر دی۔ نوجوان عاشق کو یہ پابندی کہاں تک روک سکتی تھی۔ راتوں کو وہ چھپ کر محظوظ کے پاس پہنچ جاتا۔ ایک بار اُس نے اپنا بیس اُبھی کو بھیجا تاکہ وہ مردانہ کپڑے پہن کر پھرے دارکی آنکھوں میں دھول جھوکے اور اور اُس سے ملنے آجائے۔ وہ واقعی آگئی۔ مگر کپڑی گئی۔ سفیر صاحب غصے سے بے قابو ہو گئے۔ انہوں نے والتیر کو فوراً پیرس واپس بھیج دیا۔

یہ قصہ بیہیں ختم نہیں ہوا۔ اپنے شہر لوٹ جانے کے بعد والتیر نے محبوبہ کو انغو اکرنے کا منصوبہ بنا یا۔ انگوا کے لئے اُس کے ہوشیار ڈہن کو ایک نرالی ترکیب سو جھی، کیوں نہ جو شیلے یسوعی دوستوں سے مدد لی جائے! چنانچہ اُس نے ان دوستوں کے مذہبی جذبات بھڑکائے۔ والتیر نے اُن کو یقین دلایا کہ اُبھی دل سے رومان کیتوںکے ہے مگر پروٹوٹائٹ مال نے زبردستی اُس کو روک رکھا ہے۔ جیسا کہ توقع کی جاسکتی ہے، یسوعی اس، مذہبی بہن، کو بدعتی مال کے قبضے سے چھڑانے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ سفیر کو اس معاملے کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ